۳۸

جلسہ سالانہ کی اہمیت اور برکات

(فرمودہ ۱۰؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

سب سے پہلے تو میں جماعت کے احباب کو اِس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ اب دسمبر کا مہینہ شروع ہو چکا ہے اور آج اس کا دوسرا جمعہ ہے۔اس مہینہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اور اس کے الہام اور وحی سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جماعت کا ایک اجتماع مقرر فرمایا ہے۔ یہ اجتماع ۲۶ ۔ ۲۷ ۔ ۲۸ دسمبر کو ہوا کرتا ہے اس اجتماع کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خواہش ظاہر فرمائی ہے کہ جماعت کے وہ تمام دوست جن کا ان دنوں یہاں پہنچنا ممکن ہو اِس موقع پر جمع ہوا کریں۔اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سننے یا سنانے میں شامل ہوا کریں جو اِن دنوں یہاں کیا جاتا ہے۔

ابھی تک ہمارے ملک میں وسائلِ سفر اتنے آسان نہیں جتنے کہ یورپ میں آسان ہیں۔اور ہندوستان کے باہر تو کئی ممالک میں ان وسائل میں اور بھی کمی ہے جیسے افغانستان ہے یا ایران ہے یا ہندوستان سے باہر کے جزائر ہیں۔ پھر ابھی تک ہماری جماعت میں ایسے لوگ شامل نہیں جو مالدار ہوں۔اور جو دُور دراز ممالک سے جبکہ ہوائی جہازوں کی آمد و رفت نے سفر کو بہت حد تک آسان کر دیا ہے، جلسہ سالانہ کے ایام میں قادیان پہنچ سکیں۔لیکن اگر ایسے لوگ ہماری جماعت میں شامل ہوں تو ان دور دراز ممالک کے لوگوں کیلئے بھی جہاں ہر قسم کے وسائلِ سفر آسانی سے میسر آسکتے ہیں، یہاں پہنچنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔اور زیادہ سے زیادہ ان کیلئے روپیہ کا سوال رہ جاتا ہے۔مگر ایسے لوگ ابھی ہماری

جماعت میں بہت کم ہیں یا حقیقتاً بالکل ہی نہیں۔ ہماری جماعت کا بیشتر حصہ اِس وقت ہندوستان میں ہے اور اس میں سے بھی زیادہ تر مردوں کی ایک تعداد ہے جو جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان پہنچ سکتی ہے۔ پس جو پہنچ سکتے ہیں اُنہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ساری جماعت کی طرف سے اُن پر ایک خاص ذمہ واری ہے جسے ادا کرنے کی کوشش ان کا اوّلین فرض ہے۔ اور یہ کہ جبکہ ساری جماعت اس موقع پر نہیں پہنچ سکتی تو ہر علاقہ کے مردوں، عورتوں اور بچوں میں سلسلہ کی روح کو زندہ رکھنے کیلئے جو پہنچ سکتے ہیں انہیں سَو کام کا حرج کر کے بھی آنا چاہئے تا ان کا آنا دوسروں کے نہ آسکنے کے نقصان کا ازالہ کر دے۔

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ترقی کے شروع ہونے پر سُست ہو جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں اب جماعت بہت ہوگئی۔ ایسے لوگوں کو میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہر وہ شخص جس کیلئے جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان پہنچنا ممکن ہے اگر یہاں آنے میں کوتاہی کرتا ہے تو اس کا لازمی اثر اس کے ہمسایوں اور اس کی اولاد پر پڑے گا۔ میں نے دیکھا ہے جو دوست سال بھر میں ایک دفعہ بھی جلسہ سالانہ کے موقع پر قادیان آجاتے ہیں اور اپنے اہل وعیال کو ہمراہ لاتے ہیں ان کی اولادوں میں احمدیت قائم رہتی ہے اور گو ان بچوں کو احمدیت کی تعلیم سے ابھی واقفیت نہیں ہوتی مگر وہ اپنے والدین سے یہ ضرور کہتے رہتے ہیں کہ ابا! ہمیں قادیان کی سیر کیلئے لے چلو۔ اس طرح بچپن میں ہی ان کے قلوب میں احمدیت گھر کرنا شروع کر دیتی ہے اور آخر بڑے ہو کر وہ اپنی احمدیت کا شاندار نمونہ پیش کرنے پر قادر ہو جاتے ہیں۔ پھر بچوں کے ذہن کے لحاظ سے بھی جلسہ سالانہ کا اجتماع ان پر بڑا اثر کرتا ہے۔ بچہ ہمیشہ غیر معمولی چیزوں اور ہجوم سے متأثر ہوتا ہے۔ پس جلسہ سالانہ پر آ کر وہ نہ صرف ایک مذہبی مظاہرہ دیکھتا ہے بلکہ اپنی طبیعت کی جِدت پسندی کے لحاظ سے بھی تسلی پاتا ہے اور یہ اجتماع اس کیلئے ایک دلچسپ اور یاد رکھنے والا نظارہ بن جاتا ہے۔ غرض جو باپ جلسہ پر آتے ہیں وہ اپنی اولاد کے دل میں بھی یہاں آنے کی تحریک پیدا کر دیتے ہیں۔ اور کبھی نہ کبھی ان کے بچے کا اصرار بچے کو جلسہ پر لانے کا محرک ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد دوسرا قدم وہ اُٹھتا ہے جس کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ پس ان ایام میں قادیان آنا کسی ایسے بہانے یا عذر کی وجہ سے ترک کر دینا جسے توڑا جا سکتا ہو یا جس کا علاج کیا جا سکتا ہو، صرف ایک حکم کی نافرمانی ہی نہیں بلکہ اپنی اولاد پر بھی ظلم ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے کہ ہماری جماعت میں ابھی مالدار لوگ داخل نہیں

اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جلدی سے جانے کیلئے جو وسائلِ سفر ہیں وہ اتنا خرچ چاہتے ہیں کہ بیرونی ممالک کے احمدیوں کیلئے ان ایام میں قادیان پہنچنا مشکل ہے۔لیکن اگر کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے بڑے مالدار ہماری جماعت میں شامل ہو جائیں یا سفر کے جو اخراجات ہیں ان میں بہت کچھ کمی ہو جائے اور ہر قسم کی سہولت لوگوں کو میسر آ جائے تو دنیا کے ہر گوشہ سے لوگ اس موقع پر آئیں گے۔ اگر کسی وقت امریکہ میں ہماری جماعت کے مالدار لوگ ہوں اور وہ آمدورفت کیلئے روپیہ خرچ کرسکیں تو حج کے علاوہ ان کیلئے یہ امر بھی ضروری ہوگا کہ وہ اپنی عمر میں ایک دو دفعہ قادیان بھی جلسہ سالانہ کے موقع پر آئیں۔ کیونکہ یہاں علمی برکات میسر آتی ہیں اور مرکز کے فیوض سے لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں اور میں تو یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن آنے والا ہے جبکہ دور دراز ممالک کے لوگ یہاں آئیں گے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک رؤیا ہے جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ ہوا میں تیر رہے ہیں اور فرماتے ہیں ''عیسیٰ تو پانی پر چلتے تھے اور میں ہوا پر تیر رہا ہوں اور میرے خدا کا فضل ان سے بڑھ کر مجھ پر ہے''۔[1] اس رؤیا کے ماتحت میں سمجھتا ہوں وہ زمانہ آنے والا ہے کہ جس طرح قادیان کے جلسہ پر کبھی یکے سڑکوں کو گھسا دیتے تھے اور پھر موٹریں چل چل کر سڑکوں میں گڑھے ڈال دیتی تھیں اور اب ریل سواریوں کو کھینچ کھینچ کر قادیان لاتی ہے، اِسی طرح کسی زمانہ میں جلسہ کے ایام میں تھوڑے تھوڑے وقفہ پر یہ خبریں بھی ملا کریں گی کہ ابھی ابھی فلاں مُلک سے اتنے ہوائی جہاز آئے ہیں۔ یہ باتیں دنیا کی نظروں میں عجیب ہیں مگر خدا تعالیٰ کی نظر میں عجیب نہیں۔ خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنے دین کیلئے مکہ اور مدینہ کے بعد قادیان کو مرکز بنانا چاہتا ہے۔ مکہ اور مدینہ وہ دو مقامات ہیں جن سے رسول کریم ﷺ کی ذات کا تعلق ہے۔ آپ اسلام کے بانی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آقا اور استاد ہیں۔ اس لحاظ سے اِن دونوں مقامات کو قادیان پر فضیلت حاصل ہے۔ لیکن مکہ اور مدینہ کے بعد جس مقام کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کا مرکز قرار دیا ہے وہ وہی ہے جو رسول کریم ﷺ کے ظِل یعنی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور جو اِس وقت تبلیغ دین کا واحد مرکز ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آجکل مکہ اور مدینہ جو کسی وقت بابرکت مقام ہونے کے علاوہ تبلیغی مرکز بھی تھے آج وہاں کے باشندے اس فرض کو بھلائے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حالت ہمیشہ نہیں رہے گی۔ مجھے یقین ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان علاقوں میں احمدیت کو قائم کرے گا تو پھر یہ مقدس مقامات اپنی اصل شان وشوکت کی طرف لوٹائے

جائیں گے اور پھر یہ تعلیمِ اسلام اور تبلیغ کا مرکز بنائے جائیں گے۔ اور جب بھی احمدیوں کی طاقت کا وقت آئے گا اُن کا پہلا فرض ہے کہ ان پاک شہروں کو ان کا کھویا ہوا حق واپس دینے کی تدبیر کریں اور ان کی اصلی شان کو واپس لائیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو دی گئی ہے۔ لیکن جب تک وہ دن نہیں آتا اُس وقت تک محض قادیان ہی تبلیغ و اشاعت دین کا مرکز ہے۔ مکہ ہماری عبادت کا مرکز ہے۔ مکہ ہماری محبت اولیٰ کا مرکز ہے اور مدینہ بھی ہمارے بہت سے تبرکات اور محبت اولیٰ کا مرکز ہے مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے اِس زمانہ میں اس عظیم الشان فرض کو بُھلا دیا ہے جس کیلئے مکہ اور مدینہ کے مرکز خدا تعالیٰ نے قائم کئے تھے اور وہ فرض اِس وقت قادیان سے ادا ہو رہا ہے یعنی دنیا میں تبلیغِ اسلام اور اللہ تعالیٰ کی توحید کی اشاعت کا فرض۔ لیکن وہ دن دور نہیں گو ہمارے خیالات اور واہمہ سے دور ہو مگر خدا تعالیٰ کے فیصلہ کے لحاظ سے دور نہیں کہ پھر یہ دونوں مرکز نہ صرف عبادت یا محبت کا مرکز ہوں بلکہ تبلیغ اور اشاعت دین کے بھی مرکز ہوں۔

غرض رسول کریم ﷺ کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے جو عبادت کا مرکز قائم کیا وہ مکہ ہے اور مدینہ ہماری محبت اولیٰ کا مرکز ہے مگر تبلیغ اور اشاعت دین کے لحاظ سے اس وقت دنیا میں ایک ہی مرکز ہے جو قادیان ہے اور اِس سے وابستگی ہر مومن کیلئے ضروری ہے۔ پس میں سمجھتا ہوں کہ وہ دن دور نہیں جب دنیا کے گوشوں گوشوں سے ہوائی جہازوں کے ذریعہ یا بعض اور سواریوں کے ذریعہ سے جو ابھی ہمیں معلوم بھی نہ ہوں لوگ قادیان آئیں گے اور ساری دنیا کی احمدی جماعتیں اُس وقت قادیان میں اکٹھی ہوں گی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعینہٖ وہ سارے الہامات ہوئے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مکہ کے قیام کے وقت ہوئے تھے۔ مثلاً آپ کو الہام ہوا یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔[۲] پھر الہام ہوا یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔[۳] یعنی خدا تعالیٰ کی مدد اور اس کی نصرت ہر ایک دور کی راہ سے تجھے پہنچے گی اور ایسی راہوں سے پہنچے گی کہ راستے لوگوں کے بہت چلنے کی وجہ سے گہرے ہو جائیں گے۔ اسی طرح اس کثرت سے لوگ تیری طرف آئیں گے کہ جن راہوں پر وہ چلیں گے وہ عمیق ہو جائیں گی۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو یہ خبر دی گئی تھی کہ یَأْتُوْکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ [۴] یہ الہام بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا اور آپ کو بتایا گیا کہ ہر قسم کی اونٹنی پر سوار ہو کر لوگ یہاں آئیں گے۔ مگر اس جگہ ہر قسم کی اونٹنی سے مراد اونٹنیاں نہیں بلکہ ہر قسم کی

سواری مراد ہے۔ پس ہماری جماعت کو یہ مقصد اپنے سامنے رکھنا چاہئے اور جلسہ سالانہ کے موقع پر نہ صرف خود آنا چاہئے بلکہ اپنے ہمسائیوں، اپنے عزیزوں اور اپنے دوستوں کو بھی ساتھ لانا چاہئے۔ مگر اس کے ساتھ یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان ایام میں بے احتیاطیاں دل کو زیادہ سخت کر دیا کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقدس مقامات کا احترام کرانا چاہتا ہے اور ہر شخص جو ان مقامات کا احترام نہیں کرتا اُس کی سرزنش کا مستحق ہوتا ہے۔ جس طرح قادیان میں جلسہ سالانہ کے موقع پر آنا برکات کا موجب ہوتا ہے اسی طرح یہاں آنا اور پھر اپنے اوقات کا حرج کرنا اور انہیں علمی باتوں کے سننے میں صرف کرنے یا مقدس مقامات کی زیارت کرنے کی بجائے رائیگاں کھودینا دل پر زنگ لگا دیتا ہے۔

پس دوستوں کو چاہئے کہ جب وہ جلسے پر آئیں تو یہ اقرار کر کے آیا کریں کہ ہم محض رسم پوری کرنے نہیں چلے بلکہ ہم وہاں خدا کا ذکر کریں گے۔ جب جماعت میں بیٹھیں گے تب بھی اس کا ذکر کریں گے اور جب علیحدہ ہوں گے تب بھی اس کا ذکر کریں گے۔ جماعتی ذکر ہمیشہ مجلس میں ہوتا ہے۔ انسان باتیں سنتا ہے تو نصیحت حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف اس کے قلب کا میلان ہو جاتا ہے۔ لیکن انفرادی ذکر الگ الگ ہوتا ہے۔ دنیا میں چونکہ بعض طبائع ایسی ہیں جو اُس وقت ذکر کی طرف توجہ قائم رکھ سکتی ہیں جب خود ذکر میں شامل ہوں اور بعض طبائع ایسی ہوتی ہیں جو دوسروں سے ذکر سُنیں تو ذکر میں مشغول ہو جاتی ہیں نہ سُنیں تو وہ بھی ذکر چھوڑ بیٹھتی ہیں۔ اس لئے جماعتی اور انفرادی دونوں ذکر انسانی اصلاح کیلئے ضروری ہیں اور ان دونوں کو اللہ تعالیٰ نے نمازوں میں جمع کر دیا ہے۔ دیکھو ظہر اور عصر میں اِس طرح نماز پڑھی جاتی ہے کہ ہر شخص اپنا اپنا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔ امام خاموشی سے اپنے طور پر ذکر کر رہا ہوتا ہے اور مقتدی اپنے طور پر۔ پھر جب خاموش طور پر دُعا کی جاتی ہے تو ہر ایک کی دعا الگ الگ ہوتی ہے لیکن مغرب، عشاء اور فجر کے وقت اللہ تعالیٰ نے یہ طریق مقرر کر دیا کہ جب امام سورۂ فاتحہ پڑھے تو تم بھی سورۂ فاتحہ پڑھو۔ مگر جب وہ قرآن پڑھے تو تم خاموش رہو۔ غرض قرآن کریم کے سننے میں ہم امام کے تابع ہوتے ہیں اور سورۂ فاتحہ میں بھی ہم اس رنگ میں اس لئے تابع ہوتے ہیں کہ ہم اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ملائکہ اور نمازیوں کی آمین ایک ہو جائے تو اُس وقت دعا قبول ہو جاتی ہے۔[۵] اب ہمیں کیا پتہ ہوسکتا ہے کہ ملائکہ اور نمازیوں کی آمین ایک ہوئی ہے یا نہیں اور اگر ہوئی ہے تو کس وقت؟ سو یاد رکھنا چاہئے کہ ملائکہ کی آمین

تابع ہوتی ہے امام کی آمین کے اور اس حدیث میں رسول کریم ﷺ نے جس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ امام کے ساتھ چلتے ہیں اُنہی کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

پھر دعائیں ہیں۔ شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ امام نماز میں بلند آواز دعائیں مانگے اور مقتدی آمین کہیں۔ چنانچہ رسول کریم ﷺ بعض دفعہ مہینوں اس رنگ میں دعائیں کرتے تھے تو نماز میں بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا طریق رکھا ہے کہ بعض جگہ لوگوں کو کلیۃً امام کے تابع کر دیا ہے۔ امام کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اور مقتدی بھی کہتا ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ امام رکوع میں جاتا ہے تو مقتدی بھی رکوع میں چلا جاتا ہے۔ امام سجدہ میں جاتا ہے تو مقتدی بھی سجدہ میں جھک جاتا ہے۔ لیکن جو خاموشی کا حصہ ہوتا ہے اس میں ہر شخص آزاد ہوتا ہے اور ہمیں نظر آتا ہوتا ہے کہ مقتدی کچھ کہہ رہا ہوتا ہے اور امام کچھ۔ تو دونوں قسم کی عبادتیں خدا تعالیٰ نے نماز میں رکھ دی ہیں۔ ایسی بھی جن میں اسے حکم ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ چلے اور ایسی بھی جو مستقل ہیں اور جن میں اپنے طور پر جو جی چاہے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگ سکتا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے دونوں طبائع کا علاج کر دیا ہے۔ اُن کا بھی جو دوسروں کو ذکر میں مشغول دیکھ کر ذکر کرنے کی عادی ہوتی ہیں اور ان کا بھی جنہیں اُس وقت عبادت میں لذت آتی ہے جب وہ علیحدہ ہوں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں مجلس میں دعا کرتے وقت رقت آتی ہی نہیں مگر بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جونہی وہ کسی کی چیخ سنتے ہیں ان کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ پہلے انہیں جوش نہیں آتا لیکن دوسرے کا جوشِ گریہ دیکھ کر بے اختیار خود بھی رو پڑتے ہیں۔ یہ کوئی بُری بات نہیں مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ یہ ایک عادت ہے جو بعض لوگوں کو ہوتی ہے اور انہی لوگوں کے لئے خدا تعالیٰ نے نماز کا ایک حصہ جہری بھی رکھا ہے تا دوسروں کی تاثیر کو دیکھ کر ان میں روحانیت کے حصول کا جوش اور ولولہ پیدا ہو۔ پس جلسہ سالانہ میں بھی دونوں قسم کی عبادتیں کرنی چاہئیں۔ یعنی دوستوں کو چاہئے کہ جب تک وہ جلسہ گاہ میں رہیں لیکچر سنیں۔ احمدیت کی تعلیم سے واقفیت پیدا کریں۔ قرآن کریم اور رسول کریم ﷺ کے ارشادات سے آگاہی حاصل کریں اور جب جلسہ سے فارغ ہوں تو نمازیں پڑھیں، دعائیں کریں، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت کریں اور اُن آدمیوں سے ملیں جن سے مل کر ان کے ایمان کو تقویت حاصل ہو۔ مگر اپنے وقت کو ضائع نہ کریں اور نہ کھیل کود اور لغو کاموں میں اسے رائیگاں جانے دیں۔

اسی طرح جو غیر احمدی دوست باہر سے آتے ہیں ان کی حفاظت بھی ضروری ہوتی ہے۔ ہر شخص

جو کسی کو اپنے ساتھ لاتا ہے وہ اس کی رعیت ہوتا ہے اور رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کُلُّکُمْ رَاعٍ وَّ کُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ[۶] کہ تم میں سے ہر شخص راعی ہے اور ہر شخص نگران ہے۔ ہر شخص گڈریا ہے۔ ہر شخص محافظ ہے۔ ہر شخص بادشاہ ہے۔ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ اور تم میں سے ہر شخص اپنے رعیت کے متعلق جس کی نگرانی جس کی بادشاہت اور جس کی حفاظت اس کے سپرد کی گئی ہے، سوال کیا جائے گا۔ اور اس سے پوچھا جائے گا کہ اس نے کیا نگرانی کی۔ تو ہر شخص جو کسی غیر احمدی کو اپنے ساتھ لاتا ہے وہ اس کا نگران ہے اور اس کا فرض ہے کہ وہ یہ خیال رکھے کہ اُس کا وقت صحیح طور پر خرچ ہو اور مفید کاموں میں خرچ ہو۔ تا وہ یہاں سے جاتے وقت برکت اپنے ساتھ لے جائے۔ اگر کوئی شخص کسی غیر احمدی کو اپنے ساتھ لاتا ہے مگر پھر اسے چھوڑ دیتا ہے اور وہ ایسے مقامات پر جاتا یا ایسی صحبت میں بیٹھتا ہے جہاں سے وہ بُرے اثرات سے متأثر ہو جاتا ہے۔ تو یہ تو وہی مثال ہوگی کہ ع

یکے نقصان مایہ و دگر شماتت ہمسایہ

اُس نے روپیہ بھی اس پر ضائع کیا اور پھر اپنے لئے ایک خار اور کانٹا بھی پیدا کر لیا۔

اسی طرح میں قادیان کے دوستوں کو نصیحت کرتا ہوں کہ گو یہ نصیحت ہر سال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی مگر چونکہ اللہ تعالیٰ بھی اپنے احکام لوگوں کی یاددہانی کیلئے دُہراتا رہتا ہے اور ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم اُس کی صفات کی نقل کریں، اِس لئے میں بھی اِس سنت میں اِس نصیحت کو دُہراتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے جوں جوں جلسہ سالانہ پر لوگوں کی آمد بڑھتی چلی جاتی ہے اسی طرح قادیان والوں پر ان کی ذمہ واری بھی بڑھتی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ ہر سال قادیان کی آبادی بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ ورنہ جتنا اجتماع جلسہ سالانہ پر اب ہوا کرتا ہے اگر اس کے مقابلہ میں قادیان کی آبادی اتنی ہی رہتی جتنی پُرانی آبادی تھی تو غالباً وہی طریق ہمارے ہاں بھی رائج ہو جاتا جو پُرانے عرسوں پر رائج ہے کہ ایک وقت کی اور وہ بھی مقررہ روٹی لوگوں کو دے دیتے ہیں۔ یعنی ایک دو روٹیاں ہوتی ہیں اور ان پر کچھ سالن رکھا ہوا ہوتا ہے اور پھر کہہ دیتے ہیں کہ ہم سے بس اتنا ہی ہوسکتا ہے، باقی انتظام آپ خود کر لیں۔ اگر یہاں بھی اتنے ہی آدمی رہتے جتنے پُرانی آبادی کے وقت ہوا کرتے تھے تو غالباً جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کو ہمیں ایک وقت کی روٹی دینی بھی مشکل ہو جاتی۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسا توازن رکھا ہوا ہے کہ ادھر جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کی تعداد بڑھاتا ہے تو ادھر قادیان کی

آبادی کو بھی بڑھا دیتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ ہمارے گھر جوں جوں بڑھتے ہیں ان کی ترقی میں ایک حصہ ان مہمانوں کا بھی ہوتا ہے جو جلسہ سالانہ پر آتے ہیں اور ہمارے جس قدر اوقات ہیں ان میں بھی ایک حصہ جلسہ سالانہ پر آنے والے مہمانوں کا ہوتا ہے۔ اس لئے قادیان کے دوستوں کو اپنے مکانات جلسہ سالانہ کے مہمانوں کیلئے پیش کرنے میں کسی قسم کا بُخل نہیں کرنا چاہیئے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اگر کسی کا کوئی نیا مکان بنا ہوا ہو تو اُس کے دل کو یہ بُرا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مکان اور لوگوں کے استعمال کیلئے دے دے۔ لیکن اس میں بُرا محسوس ہونے کی کوئی بات نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز خدا تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنے سے انسان ڈرے وہ چیز رکھنے کے قابل ہی نہیں ہوتی۔ دنیا میں تمام فتنے اسی نقص کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسی نقص کی وجہ سے امراء غرباء کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیتے اور یہی چیز قوم میں تفرقہ پیدا کرتی اور امراء و غرباء میں ایک دیوار حائل کر دیتی ہے۔ پھر وہ مکان جس کو انسان خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کیلئے پیش نہ کر سکے وہ اسے برکت کیا دے گا۔ اس نے تو اسے خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت سے محروم کر دیا۔ اگر وہ مکان اس نے نہ بنایا ہوتا تو یہ اس کیلئے زیادہ بہتر ہوتا۔ کیونکہ جب تک اس نے مکان نہیں بنایا تھا اس کے دل میں کوئی وسوسہ نہیں تھا۔ اُسے خدمت دین سے کوئی اعراض نہیں تھا۔ مگر جونہی اُس نے مکان بنالیا اُس کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہونے لگ گیا کہ اگر میں نے مکان دیا تو یہ خراب ہو جائے گا۔

میں نے جب دارالانوار کا مکان بنایا تو پہلے سال مجھ سے کئی دوستوں نے کہا کہ یہ مکان جلسہ سالانہ کے مہمانوں کو نہ دیا جائے، خراب ہو جائے گا۔ گو میں نے انہیں کہا کہ میں تو اِس مکان کو آگ لگانے کیلئے تیار ہوں جس مکان کے متعلق میرے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ اگر میں نے اسے خدمت دین کیلئے دیا تو وہ خراب ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے دوستوں سے کہا کہ سب سے پہلے اس مکان کو جلسہ سالانہ کے لئے استعمال کرو تا کہ ان کے ٹھہرنے کی وجہ سے اس میں برکت پیدا ہو جائے۔ چنانچہ پہلے وہ لوگ رہے اور پھر ہم کچھ عرصہ کیلئے وہاں گئے۔ گو بعد میں وہاں سے کُلّی طور پر واپس آ گئے۔ تو میں نہیں سمجھ سکتا وہ مکانات اور وہ چیزیں ہمارے لئے کسی قسم کی برکت کا بھی موجب ہو سکتی ہیں جن کے متعلق ہمیں یہ خیال ہو کہ اگر ہم نے انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا تو وہ خراب ہو جائیں گی۔ ایسے مکانات تو انسان کیلئے رحمت کا موجب نہیں بلکہ وبال اور عذاب کا موجب ہیں اور جس طرح عذاب لینے کیلئے کوئی

شخص تیار نہیں ہوتا اسی طرح ایسے مکانات میں رہنے کیلئے بھی کوئی باغیرت مومن تیار نہیں ہوسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی چیز بُری نہیں ہوتی بلکہ اس چیز کو جو ناواجب اہمیت دی جاتی ہے وہ اسے بُرا بنا دیتی ہے۔اس کی ایسی ہی مثال ہے جیسے کوئی شخص اپنے بچے کو علم سکھائے۔اب علم سکھانا بُرا کام نہیں لیکن اگر وہ اسے علم سکھاتا ہے اور پھر اسے سنبھال کر گھر میں رکھ لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے دین یا اس کی مخلوق کی ہمدردی اور فائدہ کے لئے قربانی کرنے سے اس لئے روکتا ہے کہ اس قدر محنت کے بعد میرا بچہ ضائع نہ ہو جائے ،تو وہ ایک بُرا کام کرتا ہے۔لیکن اگر وہ اسے علم سکھا کر اس لئے لوگوں کے سامنے پیش کرتا ہے تا وہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو علم سکھائے اور انہیں دین سے واقف کرے اور دین کیلئے ہر قسم کی قربانیوں میں حصہ لے تو یہی علم اُس کیلئے برکت کا موجب بن جائے گا۔اسی طرح اگر کوئی شخص اس لئے یہاں مکان بناتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام ہے وَسِّعْ مَکَانَکَ [؎] اپنے مکانات کو وسیع کرو۔تو وہ ان برکات سے حصہ لیتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قادیان سے مخصوص کی ہیں۔لیکن اگر کوئی شخص اس نیت سے مکان نہیں بناتا بلکہ اپنی شان اور اپنی عظمت کے اظہار کیلئے ایک مکان بنا دیتا ہے اور پھر خدا تعالیٰ کے دین کی خدمت کیلئے پیش کرنے سے ہچکچاتا ہے۔تو وہ مکان اس کیلئے برکت کا موجب ہرگز نہیں ہوسکتا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو یہ الہام ہوا ہے کہ وَسِّعْ مَکَانَکَ مگر اس کا کیا سبب ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ کی خرابی کا وقت وہ ہوگا جب اس میں بڑے بڑے مکانات بن جائیں گے۔سو اس کی وجہ یہی ہے کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے مکانوں کی وسعت کا حکم دیا تو ان مکانوں سے وہ مکان اس نے مراد لئے جو خدمت دین کیلئے بنائے جائیں جن کو پیش کرتے وقت انسان یہ نہ کہے کہ دیکھنا! مکانوں پر میل نہ لگ جائے ، دیکھنا! فرش پر گرد نہ پڑ جائے ، دیکھنا! دیواروں پر کوئی تھوکے نہیں۔مگر جب رسول کریم ﷺ نے یہ خبر دی کہ مدینہ اس وقت خراب ہوگا جب اس میں بڑے بڑے مکانات بن جائیں گے تو ان مکانات سے وہ مکانات مراد تھے جن میں دین کا کوئی حصہ نہ تھا اور جنہیں ان کے مالکوں نے خدمت دین کیلئے پیش کرنے کی بجائے اپنے ذاتی آرام و آسائش کیلئے وقف کر لینا تھا۔پس یہ دونوں باتیں الگ الگ مکانات کیلئے ہیں۔جو مکانات خدا تعالیٰ کے دین کی ضروریات کے لئے وقف کر دیئے جائیں اور جن

مکانات کا قومی ضروریات کے پیش آنے پر دے دینا کسی کو گراں نہ گزرے، ایسے مکانات یقیناً بابرکت ہیں اور وہ جتنے بھی بڑھتے جائیں اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور اس کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا ہاں جو مکان ایسا ہو کہ اُس کا خدمت دین کیلئے پیش کرنا انسان کو دوبھر ہو یا غریبوں کو دینا انسان پر شاق گزرتا ہو تو وہ مکان رحمت کی بجائے انسان کے لئے لعنت بن جاتا ہے۔

پس دوستوں کو جہاں تک ہو سکے جلسہ سالانہ کیلئے اپنے مکانات دینے چاہئیں اور انہیں سمجھ لینا چاہئے کہ جس وقت بھی خدا تعالیٰ نے انہیں قادیان میں مکان بنانے کی توفیق دی تھی تو اسی لئے دی تھی کہ وہ اپنا مکان خدمت دین کیلئے پیش کر کے ہر سال زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کرتے رہیں۔ پھر اس موقع پر اپنے نفوس کو بھی خدمت دین کیلئے پیش کرنا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ انسان جب تک ہر قسم کی قربانی نہ کرے وہ ہر قسم کی برکات حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص فلاں عبادت میں زیادہ حصہ لے گا وہ جنت کے فلاں دروازہ سے گزارا جائے گا اور جو فلاں عبادت میں زیادہ حصہ لے گا وہ فلاں دروازہ سے گزارا جائے گا۔ اسی طرح آپ نے مختلف عبادات کا نام لیا اور فرمایا جنت کے سات دروازوں سے مختلف اعمالِ حسنہ پر زیادہ زور دینے والے لوگ گزارے جائیں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس مجلس میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے عرض کیا یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! مختلف دروازوں سے تو وہ اس لئے گزارے جائیں گے کہ انہوں نے ایک ایک عبادت پر زور دیا ہوگا، لیکن یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اگر کوئی شخص ساری عبادتوں پر ہی زور دے تو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ آپ نے فرمایا وہ جنت کے ساتوں دروازوں سے گزارا جائے گا۔ اور اے ابوبکرؓ! میں امید کرتا ہوں کہ تم بھی انہی میں سے ہوں گے۔[۸] اب ان دروازوں سے اینٹوں اور لکڑیوں والے دروازے مراد تو نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگر یہی دروازے مراد ہوں تو پھر اس میں کون سی عزت ہو سکتی ہے کہ بجائے ایک دروازہ کے سات دروازوں سے کسی کو گزارہ جائے۔ اگر ہم کسی مکان میں داخل ہونا چاہیں اور مالک مکان بجائے ایک دروازہ سے اندر لے جانے کے پہلے ہمیں ایک دروازہ سے اندر لے جائے پھر دوسرے سے، پھر تیسرے سے، پھر چوتھے سے، پھر پانچویں سے، پھر چھٹے سے اور پھر ساتویں سے تو اس میں ہماری کون سی عزت ہوگی۔ اس سے تو سوائے اس کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا کہ ہماری لاتیں ٹوٹیں اور ہم تھک کر رہ جائیں۔ پس اگر جنت میں بھی ساتوں دروازوں سے گزارنے سے مراد ساتوں دروازوں

سے اندر جانا ہوتو یہ کوئی عزت کی بات نہیں ہوسکتی۔ لیکن چونکہ رسول کریم ﷺ نے اس میں بعض جنتیوں کو خاص قسم کی عزت کی بشارت دی ہے اس لئے یقیناً اس گزرنے سے ظاہری گزرنا مراد نہیں ہوسکتا بلکہ اس سے مراد مختلف قسم کے انعامات حاصل ہونا ہے اور مطلب یہ ہے کہ انہیں اس قسم کے انعامات دیئے جائیں گے۔ گویا ساتوں دروازوں سے گزرنے کے معنے ہر قسم کی نیکیوں کے بدلے ہر قسم کے انعامات ملنے کے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جو شخص ہر قسم کی نیکیاں کرے وہی ہر قسم کے انعامات کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چونکہ ہر قسم کی نیکیاں کرتے تھے اس لئے رسول کریم ﷺ یہ امید رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا سلوک ان سے امتیازی رنگ میں ہوگا۔ مگر یہ صفت صرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہی مخصوص نہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اُمت محمدیہ کے اور کئی بزرگ بھی ہر قسم کی نیکیوں کے حصول کیلئے بے چین رہتے تھے۔ بلکہ بعض بزرگ تو اتنا غلو کر لیتے تھے کہ ظاہر بین نگاہیں انہیں شاید پاگل ہی خیال کرتی ہوں لیکن وہ جو کچھ کرتے تھے محبت کے جوش میں کرتے تھے۔ ایک بزرگ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ قرآن پڑھتے تو جہاں زبان سے الفاظ کہتے جاتے وہاں اپنی اُنگلی بھی آیتوں پر پھیرتے جاتے۔ کسی نے پوچھا آپ یہ کیا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں خیال کرتا ہوں کہ قرآن کریم کی تلاوت میں زبان اور آنکھیں تو شریک ہوتی ہی ہیں اُنگلی کو بھی کیوں نہ اس کام میں شریک کیا جائے۔ چنانچہ میں آنکھوں سے قرآن کریم کی آیات دیکھتا جاتا ہوں، زبان سے پڑھتا جاتا ہوں اور اپنی انگلی ساتھ ساتھ ہر آیت کے نیچے پھراتا جاتا ہوں۔ تا میری آنکھیں، میری زبان اور میرے ہاتھ سب تلاوتِ قرآن کے ثواب میں شریک ہو جائیں۔ اس عمل کو تم غلو کہہ لو لیکن اس ذہنیت کی تعریف کئے بغیر تم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ درحقیقت حقیقی کمال روحانیت کا یہی ہے کہ ہر قسم کی نیکی حاصل کی جائے۔ جو شخص ایک قسم کی نیکی میں ہمیشہ حصہ لیتا ہے اس میں کچھ اس کی عادت کا بھی دخل ہو جاتا ہے اور جس نیکی میں عادت کا دخل ہو وہ انسان کو اتنے انعام کا مستحق نہیں بناتی جتنے انعام کا وہ نیکی مستحق بناتی ہے جو محبت کی وجہ سے کی جائے۔

صحابہؓ میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کوئی رنگ نیکی کا جانے نہیں دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عمرؓ کے لڑکے تھے لیکن بہت ہی باکمال صحابہؓ میں سے تھے۔ اور صحابہؓ میں بہت کم ایسے لوگ ہوئے ہیں جو باپ بیٹا دونوں عظیم الشان انسان ہوئے ہوں اور جن کو رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہی بہت بڑی خدمت کا موقع ملا ہو۔ لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ دونوں نہایت جلیل القدر بزرگ

گزر رہے ہیں۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نہایت اعلیٰ تفقّہ رکھتے تھے اور مشہور فقیہہ تھے۔ کئی جگہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایات میں یہ ذکر آتا ہے کہ جب وہ بعض مسائل بیان کرتے اور لوگ ان سے کہتے کہ آپ کے والد کی فلاں روایت اس کے خلاف ہے تو وہ بڑے جوش سے کہتے کہ میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ بات یوں سُنی ہے۔ اگر میرے والد کو اس کے سننے کا موقع نہیں ملا تو میں تو وہی بات بیان کروں گا جو میں نے رسول کریم ﷺ سے منہ سے سنی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایتیں حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ ہیں۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو رسول کریم ﷺ کی باتیں سننے کا حضرت عمرؓ سے بہت زیادہ موقع ملا کیونکہ وہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ قریباً ہر وقت رہتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ کی ہی روایات احادیث میں کثرت سے ملتی ہیں جو انہوں نے خود رسول کریم ﷺ سے سُنیں۔ (حضرت عبداللہ بن عباس کی روایات بہت ہیں لیکن ان میں سے اکثر وہ ہیں جو انہوں نے دوسرے صحابہ سے سنی ہیں)۔ یہ عبداللہ بن عمرؓ جو اتنے بڑے پایہ کے بزرگ اور نیک انسان تھے۔ ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک دفعہ حج کیلئے گئے تو راستہ میں ایک مقام پر وہ پیشاب کرنے بیٹھ گئے۔ پھر چلتے چلتے ایک پتھر آیا تو اُس پر بیٹھ گئے۔ اسی طرح بعض اور پتھروں پر وہ تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے بیٹھے اور پھر حج کیلئے مکہ پہنچ گئے۔ جب حج کر کے واپس آئے تو پھر انہی پتھروں پر تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے بیٹھے اور جب اس جگہ پہنچے جہاں انہوں نے پیشاب کیا تھا تو پھر وہاں پیشاب کرنے کیلئے بیٹھ گئے۔ اس پر ان کے ایک ساتھی نے ان سے کہا کہ پہلے تو میں نے سمجھا کہ اتفاق سے آپ پیشاب کرنے یہاں بیٹھ گئے تھے اور ذرا دم لینے کیلئے پتھروں پر بیٹھتے گئے۔ مگر جب واپسی پر آپ پھر انہی پتھروں پر بیٹھے ہیں اور اسی جگہ آپ نے آپ نے پھر پیشاب کیا ہے تو مجھے محسوس ہوا ہے کہ یہ اتفاق نہیں بلکہ اس میں کوئی بات ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جہاں آپ کو پہلے پیشاب آیا تھا آتی دفعہ بھی آپ کو اسی مقام پر پیشاب آتا اور جن پتھروں پر آپ پہلے بیٹھے تھے انہی پتھروں پر دوبارہ تھک کر بیٹھتے۔ حضرت عبداللہؓ نے جواب دیا یہ ہے تو میرے ذوق کی بات مگر چونکہ تم نے پوچھا ہے اس لئے بتا دیتا ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ جب عمرہ کیلئے تشریف لے گئے تھے تو آپ نے اسی جگہ پیشاب کیا تھا اور آپ انہی پتھروں پر تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے آرام کرنے کی خاطر بیٹھے تھے۔[9] میں جب یہاں سے گزرتا ہوں تو خیال آتا ہے چلو یہاں سے بھی

برکت لے لیں۔ چنانچہ جہاں رسول کریم ﷺ پیشاب کرنے بیٹھے تھے وہاں میں بھی بیٹھ جاتا ہوں اور جن پتھروں پر آپ نے نشست فرمائی تھی وہاں تھوڑی تھوڑی دیر کیلئے میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔ یہ عشقی رنگ ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ میں پایا جاتا تھا کہ رسول کریم ﷺ نے ایک کام کیا ہے، میں بھی وہی کام کیوں نہ کروں۔ خبر ہے اس میں ہی برکت ہو اور یہی وہ رنگ ہے جو انسان کو اعلیٰ درجہ کے مقامات تک پہنچاتا ہے۔ پس ہر قسم کی نیکی کے حصول کیلئے جب تک انسان کامل اتباع نہیں کرتا اُس وقت تک وہ کمال حاصل نہیں کرسکتا۔

تم مت خیال کرو کہ اگر تم جلسہ کیلئے چندہ جمع کر دیتے ہو تو تمہیں نیکی میں کمال حاصل ہو جاتا ہے یا تم جلسہ میں لیکچر دے دیتے ہو یا لیکچر سن لیتے ہو تو تم نیکیوں کو پورا کر لیتے ہو یا قادیان میں مکان بنا لیتے ہو یا جلسہ والوں کو مکان دے دیتے ہو تو نیکیوں کو پورا کر لیتے ہو یا مہمانوں کی خدمت کرتے ہو تو نیکیوں کو پورا کر لیتے ہو۔ یہ الگ الگ اور انفرادی طور پر جس قدر خدمتیں ہیں ان کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ لیکن ان کے علاوہ اور بھی جس قدر خدمتیں ہیں ان سب میں حصہ لینا تمہارے لئے ضروری ہے۔ کیونکہ جو شخص ساری خدمتیں کرتا ہے وہی جلسہ سالانہ کے سارے انعامات کا مستحق بنتا ہے۔ اور یہ صرف جلسہ کی ہی بات نہیں دین کی ہر بات میں یہی فرض انسان پر عائد ہوتا ہے۔ انسان کو حکم ہے کہ وہ نماز بھی پڑھے، وہ فرضی روزے بھی رکھے، وہ نفلی روزے بھی رکھی، وہ فرضی زکوٰۃ بھی دے، وہ نفلی صدقہ و خیرات بھی دے۔ وہ بنی نوع انسان کی خدمت بھی کرے، خواہ وہ خدمت لسانی ہو یا مالی ہو یا جسمانی ہو۔ غرض ہر رنگ میں جب وہ اپنے آپ کو خدمت دین کے راستہ پر ڈال دے تبھی اس کا دین کامل ہوسکتا ہے اور تبھی ہر رنگ میں وہ انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اور یہی جنت کے ہر دروازہ سے داخل ہونا ہے جو فخر کے قابل ہے اور جس سے ہر مومن اپنے اپنے ایمان اور اپنے اپنے عرفان کے مطابق حصہ لے سکتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کے دروازہ سے ہر شخص داخل نہیں ہوسکتا۔ لیکن اگر کوئی حضرت ابوبکرؓ کے قدم پر قدم مار سکتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو بھی وہ انعام دینے کیلئے تیار ہے جو اس نے حضرت ابوبکرؓ کیلئے تیار کیا۔ اور اگر کوئی حضرت عمرؓ کے قدم پر قدم مار سکتا ہے تو خدا تعالیٰ اُس کو بھی وہ انعام دینے کیلئے تیار ہے جو اس نے حضرت عمرؓ کو دیا۔ لیکن جو ان کے نقش قدم پر نہیں چل سکتا وہ ان سے اُتر کر اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلے۔ لیکن بہر حال کوشش کرے کہ اس میں ہر قسم کی نیکیاں پیدا ہو جائیں۔ یہی روحانیت کو

محفوظ کر دینے والی بات ہوتی ہے اور جیسا کہ میں نے بتایا ہے جلسہ سالانہ کے ایام میں کئی قسم کی خدمات انسان کرسکتا ہے۔ یہی نہیں کہ کھانے کے وقت مہمانوں کو کھانا کھلایا اور پھر کام ختم ہوگیا بلکہ کھانا کھلانے کے علاوہ مہمانوں کے متعلق اور بھی ایسی کئی خدمات ہوسکتی ہیں جن سے انہیں فائدہ ہوسکتا ہے۔ مثلاً وہ بازاروں میں پھرتا رہے اور دیکھتا رہے کہ کوئی مسافر بھولا ہوا تو نہیں پھر رہا اور اگر اسے معلوم ہو کہ کوئی مہمان اپنا مکان بھول گیا ہے یا اسے علم نہیں کہ میری جماعت کا کمرہ کون سا ہے تو ایک یہ بھی خدمت ہے کہ اسے صحیح جگہ پہنچا دیا جائے۔ یا عورتیں گلیوں میں پھرتی رہتی ہیں اور مرد ان کا قطعاً لحاظ نہیں کرتے۔ وہ چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور عورتوں کے گزرنے کا کوئی رستہ نہیں رہتا۔ اگر یہی خدمت بعض لوگ اپنے ذمہ لے لیں کہ گلیوں اور راستوں میں سے مردوں کو ایک طرف سے گزاریں اور عورتوں کو دوسری طرف سے تو میں سمجھتا ہوں اس کا انہیں بہت بڑا ثواب ہو۔ مگر ہمارے ملک میں عورت پر رحم بہت کم ہوتا ہے حالانکہ اسلام نے عورتوں کا بڑا بھاری خیال رکھا ہے۔ رسول کریم ﷺ جب سفر پر جاتے اور صحابہ اونٹوں کو دَوڑاتے تو آپ فرماتے رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ - رِفْقًا بِالْقَوَارِیْرِ [۱۰] ارے شیشوں کا بھی خیال رکھنا۔ ارے شیشوں کا بھی خیال رکھنا۔ اور آپ کا مطلب یہ ہوتا کہ اونٹوں پر عورتیں بھی سوار ہیں۔ وہ تمہاری طرح اونٹ تیز نہیں دَوڑا سکتیں، ان کا بھی خیال رکھو۔ لیکن اب ایک عجیب قسم کی ذہنیت پیدا ہوگئی ہے کہ لوگ کمزور پر طاقت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ طاقت مضبوط کے مقابلہ پر ظاہر کی جائے تبھی اس سے شان ظاہر ہوتی ہے۔ میری خلافت پر قریباً ۲۴ سال گزر چکے ہیں اور اس عرصہ میں مَیں نے بارہا جماعت کو سمجھایا ہے کہ کمزوروں پر رحم کرو اور عورتوں پر اپنی طاقت مت جتلاؤ۔ مگر میری اس قدر مسلسل نصائح کے باوجود حالت یہ ہے کہ جو لوگ میرے ساتھ چلنے والے ہوتے ہیں، وہ نہ معلوم اپنے آپ کو کیا سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ جب راستہ میں کوئی عورت آجاتی ہے تو اسے انتہائی تحکمانہ لہجہ میں کہتے ہیں ''مائی ہٹ جاؤ'' ''مائی ہٹ جاؤ''۔ گویا مائی کوئی رُستم پہلوان یا اسفندیار ہے جسے انہوں نے راستہ سے ہٹانا ہوتا ہے۔ مجھے ۲۴ سال سمجھاتے سمجھاتے گزر گئے کہ اگر کوئی عورت آگے سے آرہی ہو تو بجائے اُسے ہٹانے کے خود راستہ کاٹ کر گزر جاؤ مگر اب تک اصلاح ہونے میں نہیں آتی۔ آج بھی جب میں خطبہ پڑھانے کیلئے نکلا تو میرے آگے آگے کوئی صاحب تھے جن کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی سوٹی تھی جسے وہ ہلاتے جاتے تھے اور عورتوں کو کہتے جاتے تھے کہ ہٹ جاؤ ہٹ جاؤ۔ آخر میں نے

ساتھیوں سے کہا کہ خدا نے مجھے بھی آنکھیں دی ہوئی ہیں بجائے ان کو دھکیلنے کے ہم خود راستہ کاٹ کر ایک طرف سے کیوں نہیں گزر سکتے۔ تو کمزور پر زور جتانے کی لعنت ایسی ہمارے ملک میں ہے جو کسی طرح دور ہونے میں نہیں آتی۔ حالانکہ کمزور کے آگے کمزور بننا چاہئے اور طاقتور کے آگے طاقتور۔ اگر کوئی شخص جابر اور ظالم ہے تو اس کے مقابلہ میں ہمیں بیشک اپنی طاقت دکھانی چاہئے لیکن اگر کوئی کمزور ہے تو وہاں طاقت دکھانے کی بجائے ہمارے لئے یہ حکم ہے کہ ہم نرم بنیں۔ عورتیں جب بازار یا گلیوں میں پھرتی ہیں تو شریعت کا ان کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ پردہ کریں۔ لیکن ہم کھلے منہ پھر رہے ہوتے ہیں۔ ان حالات میں یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ عورتوں پر سختی کی جائے اور انہیں راستہ سے ہٹایا جائے۔

پس جلسہ سالانہ کے ایام میں اگر دوست اس امر کی نگرانی کریں کہ بھولے بھٹکے مہمان ٹھوکریں نہ کھاتے پھریں تو یہ بھی ایک خدمت ہوگی۔ اور اگر اس امر کا خیال رکھیں کہ راستوں میں مرد ایک طرف اور قطار بنا کر چلیں تا عورتوں کو چلنے میں تکلیف نہ ہو تو یہ بھی ایک ثواب والی خدمت ہوگی۔ بلکہ بہتر ہے کہ اس دفعہ یہ انتظام کیا جائے کہ گلیوں اور راستوں پر ایک طرف مردوں کے چلنے کیلئے مخصوص کر دی جائے تو دوسری طرف عورتوں کیلئے۔ اور چلنے پھرنے والے مردوں کو سمجھاتے رہیں کہ وہ ایک طرف چلیں اور بجائے اس کے کہ وہ عورتوں سے یہ امید کریں کہ وہ ان کا راستہ نہ روکیں خود ایک طرف ہو جائیں۔ عورتوں کو بھی بیشک اُن کی جہت بتا دی جائے مگر مردوں کیلئے بھی ایک جہت مخصوص کر دی جائے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں آمد و رفت میں بہت کچھ آرام اور سہولت ہو جائے گی۔ انگریزوں نے یہ کیا ہوا ہے کہ وہ ایک رستہ سے جاتے اور دوسرے رستہ سے واپس آتے ہیں۔ ہمارے ہاں چونکہ پردے کا طریق رائج ہے اور عورتوں کو پردہ میں ہی لیکچروں کیلئے آنا جانا پڑتا ہے اس لئے میرے نزدیک جب تک ہماری سڑکیں کافی چوڑی اور فراخ نہیں ہو جاتیں اُس وقت تک اسی طریق پر عمل کرنا بہتر ہے جو میں نے بتایا ہے کہ ایک طرف مردوں کیلئے مخصوص کر دی جائے اور دوسری طرف عورتوں کیلئے۔ ہاں جو انگریزوں کا طریق ہے کہ آنے جانے کیلئے بھی الگ الگ جہات ہوں اس میں یہ فائدہ ہے کہ اس طرح وقت بہت حد تک بچ جاتا ہے۔ لیکن جب تک وہ وقت نہیں آتا کہ سڑکیں اس قدر چوڑی ہوں کہ ان کے چار حصے کر کے مردوں اور عورتوں کے آنے اور جانے والے راستے الگ الگ کر دیئے جائیں اُس وقت تک مردوں اور عورتوں کیلئے الگ الگ اطراف مخصوص کر دی جائیں اور مرد اس کی نگرانی

کریں۔ تو میں سمجھتا ہوں وہ جلسہ سالانہ کے ایام میں بہت بڑی خدمت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جلسہ سالانہ کے ایام میں بعض عورتوں کے بچے گم ہو جاتے ہیں، بعض خبیث طبع لوگ عورتوں کو مخول کر دیا کرتے ہیں۔ ایسے تمام امور کی نگہداشت کی جائے اور عورت کی عزت اور اس کے احترام میں کوئی خلل نہ آنے دیا جائے۔

پس کئی قسم کی خدمتیں ہیں جو تم نکال سکتے ہو اور بیسیوں قسم کی نیکیاں ہیں جو تم پیدا کر سکتے ہو۔ اور یاد رکھو کہ وہ شخص جس کے دل میں یہ تڑپ ہو کہ وہ نیکی کے نئے سے نئے راستے تلاش کرے اور ہر قسم کی نیکیاں اپنے اندر پیدا کرے اُسی کو صوفی کہتے ہیں۔ تم نے سنا ہوگا کہ امت محمدیہ میں فلاں فلاں صوفی گزرے ہیں اور تم حیران ہوتے ہوگے کہ صوفی کسے کہتے ہیں۔ سو یاد رکھو کہ صوفی وہی ہوتا ہے جو اپنے دل کی صفائی کی مختلف راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔ اسی لئے کئی دفعہ ناسمجھ لوگ صوفیاء کو بیوقوف خیال کرنے لگ جاتے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب وہاں پیشاب کیا جہاں رسول کریم ﷺ نے پیشاب کیا تھا تو بعض ظاہر پرستوں نے اس پر اعتراض کیا۔ مگر جہاں عشق کا مظاہرہ ہو وہاں انسان یہی کوشش کرتا ہے کہ میں اپنے محبوب کی نقل کروں۔ میں خدا اور اُس کے رسول کی صفات کا نقال بن جاؤں۔ اور میں دنیا کی ہر خوبی کا نقال بن جاؤں، اِس کا نام تصوف ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ اس سے پہلے خدا رسیدہ لوگوں نے نفلی نمازوں سے خدا کا قرب حاصل کیا تو وہ نماز پڑھنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے نفلی روزے رکھ کر وصالِ الٰہی حاصل کیا تو وہ روزے رکھنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے صدقہ وخیرات سے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کی تو وہ صدقہ دینے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے نفلی حج سے برکت حاصل کی تو وہ حج کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے علم پڑھایا تو وہ لوگوں کو علم پڑھانے لگ جاتا ہے۔ وہ اگر دیکھتا ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کی تو وہ اپنے ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے لگ جاتا ہے۔ غرض جس جس رنگ میں وہ کسی بزرگ کو نیکی میں رنگین پاتا ہے وہی رنگ اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگ جاتا ہے۔ وہ کسی نیکی کو حقیر سمجھ کر نہیں چھوڑتا بلکہ کہتا ہے کہ میں یہ بھی لے لوں اور وہ بھی لے لوں وہ خدا اور اس کے رسول کا عاشق ہوتا ہے اور عشق ومحبت کا ترانہ دنیا کے ترانوں سے جُداگانہ ہوتا ہے۔ دنیا کی نگاہوں میں وہ پاگل ہوتا ہے مگر خدا تعالیٰ کی نگاہ میں وہ پاگل نہیں ہوتا بشرطیکہ وہ شریعت اور وقار کو چھوڑنے والا نہ ہو۔

مثنوی رومی والوں نے ایک قصہ لکھا ہے معلوم نہیں انہوں نے کہاں سے لیا کہ ایک گڈریا ایک دفعہ جنگل میں کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھا تھا کہ اُس کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت نے جوش مارا۔ چونکہ وہ جاہل تھا یا ممکن ہے وہ جاہل نہ ہو بلکہ عاشق ہو اور عشق میں عالم اور جاہل کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ عشق انسانی عقل پر ایسا پردہ ڈال دیتا ہے کہ عالم ہوتے ہوئے بھی انسان ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جو دوسری صورت میں نہیں کہہ سکتا۔ اور اس کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے دل میں خدا تعالیٰ کی محبت شعلہ زن ہو، دوسرے لوگ نہ ان باتوں کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان باتوں کو بیان کیا جا سکتا ہے۔ یہی تصوف کے کے راز کہلاتے ہیں جب عشق انسان کی عقل پر پردہ ڈال دیتا ہے۔ پس بالکل ممکن ہے وہ اسی حالت میں ہو اور عشق و محبت کی محویت میں اس کے منہ سے باتیں نکل رہی ہوں یا ممکن ہے اس کا سبب جہالت ہی ہو۔ بہر حال وہ لکھتے ہیں وہ ایک درخت کے نیچے بیٹھا اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا کہ خدایا! اگر تو مجھے مل جائے تو میں تیری گدڑی میں سے جوئیں نکالا کروں۔ تیرے پیروں میں سے کانٹے نکالا کروں۔ تجھے اپنی بکریوں کا تازہ تازہ دودھ پلایا کروں۔ تجھے دبایا کروں، تیری دل کھول کر خدمت کیا کروں۔ غرض وہ اکیلا بیٹھا اس طرح عشق کے راگ نثر میں گا رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اتفاقاً پاس سے گزرے اور انہوں نے یہ باتیں سن لیں۔ انہیں سخت غصہ آیا اور وہ کہنے لگے نالائق! تو خدا کی ہتک کرتا ہے۔ تیرے نزدیک اللہ میاں نے گدڑی پہنی ہوئی ہے؟ تیرے نزدیک اسے جوئیں پڑی ہوئی ہیں؟ اور یہ کہتے ہوئے اسے اپنا ڈنڈا زور سے مارا۔ وہ بے چارا اُٹھ کر بھاگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جوش میں اُس کا تعاقب کرنا چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن پر وحی نازل ہوئی کہ اے موسیٰؑ! تو نے ہمارے بندہ کو بڑا دُکھ دیا۔ موسیٰ اُس کی باتوں سے تیرا کیا بگڑتا تھا وہ تو اپنی زبان میں ہم سے اپنے عشق کا اظہار کر رہا تھا۔ اُس کی تو بولی یہی تھی اور اُس کی سمجھ بھی اتنی ہی تھی۔ وہ آپ گدڑی میں رہتا ہے اُس لئے اس نے ہمارے متعلق بھی یہ فرض کر لیا کہ ہم گدڑی میں رہتے ہیں۔ اس کے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی نعمت بکریوں کا تازہ دودھ ہے سو یہی نعمت اس نے ہمارے سامنے پیش کر دی۔ وہ خود جب جنگل میں ننگے پاؤں چلتا ہے تو اس کے پاؤں میں کانٹے چبھ جاتے ہیں اور اس کے محبوب یعنی بیوی بچے بھی جب ننگے پاؤں پھرتے ہیں تو اُن کے پاؤں میں کانٹے چبھ جاتے ہیں اور وہ انہیں بیٹھ کر نکالا کرتا ہے۔ سو اس نے ہمارے متعلق بھی اسی خدمت کو سرانجام دینا اپنے لئے باعث فخر سمجھا۔ پس اے

موسیٰ ! تو نے اس کو دکھ دے کر ہمیں بڑی تکلیف پہنچائی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جب یہ وحی نازل ہوئی تو آپ فوراً اُس کے پاس گئے اور اس سے معافی مانگی۔ بالکل ممکن ہے اُس کی یہی باتیں جہالت کی وجہ سے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی تہہ میں محبت و عشق کارفرما ہو اور جذبۂ عشق کی فراوانی کی وجہ سے اُس قسم کی باتیں اس کی زبان سے نکل رہی ہوں۔ لیکن تم اگر گڈریا کے واقعہ کو جانے بھی دو تو مجھے بتلاؤ کہ کونسا عاشق صادق ہے جس کے دل میں باوجود اس یقین کے کہ خدا تعالیٰ تجسم سے پاک ہے یہ خیال نہ آتا ہو کہ وہ خدا تعالیٰ کو جوشِ محبت میں پکڑ لے۔ چاہے اس گڈریے کی طرح یہ سب کچھ عالَمِ تصور تک محدود ہو۔ لیکن چونکہ اس کی نظر اس بات کی عادی ہو چکی ہے کہ جس محبوب سے اُسے محبت ہو اُسے وہ چھوتا ہے، اس سے مصافحہ کرتا ہے اگر بزرگ ہو تو اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے، بچہ ہو تو اس کو چوم لیتا ہے۔ اس لئے یہی کیفیت خدا تعالیٰ کے متعلق بھی اس کے دل میں غیر معیّن اور غیر محسوس طور پر پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ دیکھ لو شاعری میں خدا تعالیٰ کی نسبت وہی الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جو دنیا میں عام معشوقوں کی نسبت لوگ استعمال کرتے ہیں۔ اُس وقت یہ تو نہیں ہوتا کہ شاعر خدا تعالیٰ کو مجسم سمجھتے ہیں۔ وہ عقیدتاً اس بات کے قائل ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہر قسم کے تجسم سے پاک ہے مگر چونکہ عشق و محبت کا مادہ اس طریق اظہار کا عادی ہو چکا ہے، اس لئے خدا تعالیٰ کی نسبت بھی اسی قسم کے الفاظ استعمال کر لئے جاتے ہیں۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں اے خدا! تو ہمیں مل جائے تو کیا اس کا یہ مطلب ہوا کرتا ہے کہ خدا (نَعُوْذُ بِاللّٰہِ) کہیں بھولا بھٹکا پھر رہا ہے اور ہم اسے کہتے ہیں کہ وہ آئے اور ہم سے آکر مل جائے۔ یہ صرف اپنے عشق کا اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اور یا پھر خدا تعالیٰ کا اپنے اِدراک میں آجانے کا نام ہم خدا تعالیٰ سے ملنا رکھتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمیں اُس کا اِدراک حاصل ہو جائے۔ یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ وہ کہیں کھویا ہوا ہے بلکہ ہمارے کمزور نفوس میں اُس کا اِدراک اگر مفقود ہوتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمیں مل جائے۔ اور یا پھر اس کا یہ بھی مطلب ہوتا ہے کہ اس کے متعلق ہمارا ناقص اِدراک کامل ہو جائے۔ غرض عشق کے اظہار کے ہزاروں ذرائع ہیں۔ اور ان تمام ذرائع کو اختیار کرنے کا نام ہی تصوف ہے اور اسی تصوف پر حقیقی قرب کی بنیاد ہوتی ہے۔ لوگوں نے غلطی سے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تصوف نام ہے درود و وظیفہ کا۔ حالانکہ درود و وظیفہ کیا چیز ہیں؟ وہ صرف دوسروں کی دماغی نقل ہیں۔ اور تصوف عشقی نقل کا نام ہے اور عشقی نقل کے مقابلہ میں دماغی نقل کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

دماغی نقلیں صرف کاغذ کے پھول ہیں اور کاغذ کے پھولوں میں کبھی خوشبو نہیں ہوسکتی۔ ہاں جو عشق میں مخمور ہوکر عشقی نقل کرتا ہے وہی حقیقی کامیابی حاصل کرتا ہے۔ بعض صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نماز میں بھی بعض دفعہ رسول کریم ﷺ کی طرف دیکھتے تھے کہ آپ کس طرح نماز پڑھتے ہیں۔ یہ عشق کی نقل تھی دماغی اور عقلی نقل نہیں تھی اس عشق میں بعض دفعہ ؏

عشق است و ہزار بدگمانی

والا معاملہ بھی ہو جاتا ہے۔

ایک صحابیؓ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ ایک دفعہ نماز پڑھا رہے تھے کہ جب آپ سجدہ میں گئے تو آپ نے بہت دیر کر دی اور سجدہ بہت لمبا ہو گیا۔ یہ دیکھ کر میرے دل میں وہم اٹھنا شروع ہو گیا کہ خدانخواستہ کوئی حادثہ نہ ہو گیا ہو۔ چنانچہ میں نے سر اُٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت حسنؓ رسول کریم ﷺ کی گردن پر اس طرح بیٹھے ہیں جس طرح کوئی گھوڑے پر سوار ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں پھر جلدی سے سجدہ میں چلا گیا۔ جب نماز ہو چکی تو باقی صحابہؓ نے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کیا سجدہ میں حضور پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے کہ اِس قدر دیر حضور نے کر دی؟ یا خدانخواستہ کوئی تکلیف ہو گئی تھی؟ ہمیں تو سخت گھبراہٹ ہونے لگ گئی تھی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا نہ کوئی وحی نازل ہوئی ہے اور نہ خدا کے فضل سے کوئی تکلیف ہوئی ہے۔ یہ ہمارا بیٹا ہماری گردن پر سواری کرنے بیٹھ گیا تھا اور ہم نے کہا کہ چلو تھوڑی دیر کیلئے یہ بھی سواری کر لے، اگر اسے ہٹایا تو اسے تکلیف ہوگی۔[۱۱] اب وہ صحابی نماز میں تھا مگر اس عشق کی وجہ سے جو اُسے رسول کریم ﷺ کی ذات سے تھا بے تاب ہو گیا اور وہ سجدہ سے ہی سر اُٹھا کر دیکھنے لگ گیا۔ لوگ کہتے ہیں فلاں بزرگ کو نماز پڑھتے وقت اتنی محویت ہوتی ہے کہ انہیں بچھو نے ڈس لیا مگر انہیں ذرا احساس نہ ہوا۔ فلاں بزرگ کو نماز میں بھڑیں کاٹ گئیں اور انہوں نے پرواہ نہ کی۔ یہ وقت بھی بعض دفعہ عشاق پر آتا ہے مگر اس صحابی میں اس سے جداگانہ کیفیت پیدا ہوئی۔ اور گو وہ نماز پڑھ رہے تھے مگر سجدہ کے ذرا لمبا ہو جانے کی وجہ سے ہی ان کے دل میں کئی قسم کے خیالات پیدا ہونے لگ گئے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگئی اور جب تک انہوں نے سر اُٹھا کر دیکھ نہ لیا ان کی تسلی نہ ہوئی۔

اسی موقع پر میں ضمناً ان لوگوں کا ذکر بھی کر دینا چاہتا ہوں جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قادیان میں کچھ عرصہ سے نماز کے وقت پہرہ لگایا جاتا ہے جو شرعاً ناجائز ہے۔ حالانکہ اس واقعہ سے معلوم ہوتا

ہے کہ صحابہ نماز پڑھتے ہوئے بھی رسول کریم ﷺ کا پہرہ رکھتے تھے۔ اب شریعت کا حکم تو یہ ہے کہ جو شخص امام سے پہلے اپنا سر سجدے سے اُٹھاتا ہے وہ سخت گناہ کرتا ہے اور قیامت کے روز اس کا سر گدھے کا سر بنایا جائے گا۔[۱۲] مگر اس حکم کی اس صحابیؓ نے کوئی پرواہ نہ کی اور نہ خدا اور خدا کے رسول نے اس کے اس فعل پر اظہارِ ناراضگی کیا اور یہ یقینی امر ہے کہ اس نے جو نماز میں ہی سر اٹھا کر دیکھ لیا کہ کہیں خدانخواستہ رسول کریم ﷺ پر کسی نے حملہ تو نہیں کر دیا یا آپ بیمار تو نہیں ہو گئے، یہ ایک بہت بڑی نیکی تھی۔ تو نیکی کے تمام راستوں کو اختیار کرنا اور عشق اور محبت کے ماتحت دین میں ترقی کرنا، اسی کا نام تصوف ہے۔ جو شخص یہ تصوف اختیار کرتا ہے اُس پر رؤیا و کشوف اور الہامات کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ کلامِ الٰہی کے معارف واسرار سے اسے آگاہ کیا جاتا ہے اور محبت الٰہی کے رموز اس پر وا ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ غرض تمام روحانی نعمتیں اسے میسر آ جاتی ہیں مگر شرط یہی ہے کہ اس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق محبت کا ہو اور محبت میں کوئی شرطیں اور حد بندیاں نہیں ہوتیں۔ جو شخص شرطوں اور حد بندیوں کے اندر کام کرتا ہے خدا تعالیٰ کا اُس کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک آقا کا نوکر کے ساتھ ہوتا ہے۔ مگر جو شخص عشق میں سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے خدا تعالیٰ اُس سے وہ سلوک کرتا ہے جو وہ اپنے پیاروں اور محبوبوں سے کیا کرتا ہے۔ پس جلسہ سالانہ کے ایام میں جو دوست باہر سے آتے ہیں اور جو یہاں کے رہنے والے ہیں ان سب کو میں نصیحت کرتا ہوں کہ وہ ان ایام کی برکات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اُٹھائیں۔ ہمارے سلسلہ کی بنیاد ہی محبت و عشقِ الٰہی پر ہے۔ پس کوشش کرو کہ تمہارے اندر محبتِ الٰہی پیدا ہو۔ تمہارے ہاتھ بیشک کاموں میں مشغول ہوں مگر تمہارے دل رو بہ خدا ہوں اور ان میں ہر وقت اللہ تعالیٰ کی محبت کی ٹیسیں اُٹھ رہی ہوں اور ہر رنگ میں اس کی خوشنودی کے حصول کیلئے بے قرار رہو۔

صحابہؓ نیکیوں کے حصول کے اتنے دلدادہ تھے کہ ایک دفعہ کوئی جنازہ گزرا تو ایک مجلس میں جہاں چند صحابہؓ بیٹھے ہوئے تھے ایک صحابیؓ کہنے لگے جنازے میں شامل ہونا بڑے ثواب کا کام ہے میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا ہوا ہے کہ جو شخص کسی مسلمان بھائی کے جنازے میں شامل ہوتا ہے اور پھر اس سے جدا نہیں ہوتا جب تک اسے دفن نہ کر دیا جائے، اسے احد کے پہاڑ کے برابر ثواب ملتا ہے۔ باقی صحابہؓ یہ روایت سن کر کہنے لگے نیک بخت تو نے یہ بات ہمیں پہلے کیوں نہ بتائی۔ معلوم نہیں ہم اب تک کتنے احد کے پہاڑ جیسے ثواب ضائع کر چکے ہیں۔[۱۳]

تو نیکی کو ہر رنگ میں لینے کی کوشش کرنا اور نیکیوں کے حصول کی جستجو کرنا اسی کا نام تصوف، اسی کا نام بزرگی اور اسی کا نام روحانیت ہے۔ تم ہزاروں کتابیں تصوف پر پڑھ جاؤ، تم ہزاروں کتابیں روحانیت کا سبق سکھانے والی اپنے مطالعہ میں لے آؤ تمہیں اس سے زیادہ ان میں اور کوئی چیز نظر نہیں آئے گی۔ یہ خلاصہ ہے تمام روحانیات کا (اور باقی جو کچھ ہے وہ اس کی تفصیلات ہیں) کہ انسان کے دل میں خدا تعالیٰ کی ایسی محبت پیدا ہو جائے کہ اس کے دل میں ہر وقت یہ آگ سی لگی رہے کہ مجھے نئے سے نئے طریقے نیکیوں کے حصول کے ملتے جائیں جن کے ذریعہ میں اس سے اپنا تعلق وسیع سے وسیع تر کرتا چلا جاؤں۔ یہی خواہش ہے جو انسان کے دل میں جس وقت پیدا ہو جاتی ہے اس میں روحانیت بھی ترقی کرنے لگ جاتی ہے۔ پس بچے بھی اور نوجوان بھی اور بوڑھے بھی اور اُدھیڑ عمر کے لوگ بھی، جو بھی کوشش کریں اپنے اپنے ظرف، اپنے اپنے مجاہدہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق اللہ تعالیٰ کی برکات اور اس کے فضلوں سے حصہ لے سکتے ہیں اور جلسہ سالانہ کے ایام چونکہ خصوصیت کے ساتھ برکات اور انوار کے نزول کے دن ہیں اس لئے احباب کو چاہئے کہ وہ ان ایام کی برکات سے مستفید ہونے کی پوری کوشش کریں۔ میں بات تو ایک اور بھی کہنا چاہتا تھا مگر چونکہ یہی بات لمبی ہوگئی ہے اس لئے آج کا خطبہ اسی پر ختم کرتا ہوں۔

(الفضل ۱۸ر دسمبر ۱۹۳۷ء)

---

۱ تذکرہ صفحہ ۴۴۵۔ ایڈیشن چہارم

۲ تذکرہ صفحہ ۲۰۱۔ ایڈیشن چہارم

۳ تذکرہ صفحہ ۲۹۷۔ ایڈیشن چہارم

۴ الحج: ۲۸

۵ بخاری کتاب الاذان باب جھر الامام بالتامین

۶ بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ ......الخ

۷ تذکرہ صفحہ ۵۳۔ ایڈیشن چہارم

۸ بخاری کتاب الصوم باب الریان للصائمین

۹؎

۱۰؎ مسند احمد بن حنبل جلد۳ صفحہ۱۷۲ مطبوعہ مصر۱۹۷۸ء میں یہ الفاظ ہیں۔ارفق بالقواریر

۱۱؎

۱۲ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب تحریم سبق الامام ......الخ

۱۳؎ بخاری کتاب الجنائز باب فضل اتباع الجنائز